انسان اور مذہب سچل سرمست کے اشعار کی روشنی میں ایک تحقیقی مطالعہ

A RESEARCH STUDY OF MANKIND AND RELIGION IN THE LIGHT OF SACHAL SARMAST'S POETRY

GHAZALA RAFIQUE
Visiting Faculty, Department of Islamic Studies, University of Karachi.
Email: rafiqueghazala803@gmail.com

Rafique,Ghazala **"A RESEARCH STUDY OF MANKIND AND RELIGION IN THE LIGHT OF SACHAL SARMAST'S POETRY"**
Al-Raheeq International Research Journal Vol 3, Issue. 2 (July-December, 2023). Pg. No: 25-56

Journal	Al-Raheeq International research Journal
Journal homepage	https://alraheeqirj.com
Publisher	Al-Madni Research Centre
License:	Copyright c 2023 NC-SA 4.0 www.alraheeqirj.com
Published online:	2024-12-25
ISSN No:	
Print version:	2959-7005
Online version:	2959-7013

انسان اور مذہب سچل سرمست کے اشعار کی روشنی میں ایک تحقیقی مطالعہ

A RESEARCH STUDY OF MANKIND AND RELIGION IN THE LIGHT OF SACHAL SARMAST'S POETRY

Abstract:

Sindh is the land of saints and Sufis. Sindh has always been palmy and cradle of civilization, peace and love. Sufis and saints had highlighted and taught the lessons of self-sacrifice and they remain indulge in the service of mankind regardless of racism and religion. Sachal Sarmast was famous for delivering religious teachings through poetry that caused reawakening of masses in the reign of Kalhoras and Talpurs rulers.

Sachal Sarmast had successfully eradicated the religious extremism and hatred prevailed among followers of different religions. His poetry certainly paved the path for peace and harmony in society and masses had breathed the sigh of satisfaction and peace of mind in the Era of persecution. Sachal Sarmast's poetry proved to be a solace to the down trodden and oppressed. Though Sachal Sarmast had frequently used and included Quranic verses and words in his poetry, on the other hand he also deviated from the main teachings of Islam by advocating the doctrine of pantheism. Sachal Sarmast boldly shown a firm belief in pantheism that's why he popularly regarded as "Mansoor Sani" (second Mansoor) of Sindh.

As, Islam is a moderate religion that has the capacity to lead and guide human beings. Apart from Islam, there is another system i.e. secularism that is mainly adopted and accepted whole heartedly by westerns but gaining popularity in east as well. This system is purely "Taghuti" which has no place in Islam. Secularism reiterates that this mundane world is everything, there is no question of life after death. Secularism is encouraging mankind to do what they please became there is no accountability after death.

Key words: Sufism in Sindh, religious extremism, pantheism, secularism.

تمہید:

اسلام دین فطرت ہے اور اس کو دیگر مذاہب عالم پر کئی معنوں میں فوقیت حاصل ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے دیگر مذاہب کی طرح چند طریقہ ہائے عبادات بتلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حقیقت میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہی رہنمائی کرتا ہے اور اس کی اصلاح پر زور دیتا ہے، مذہب چونکہ جُز ہے اور دین کل ہے، مذہب صرف چند عبادات و عقائد کا نام ہے جبکہ دین ایک مکمل نظامِ حیات ہے جس میں انسان کی معاشی، معاشرتی، سیاسی زندگی بھی شامل ہے اور انسان کی زندگی کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس کو وہ محیط نہ ہو۔ دین اسلام میں انسان کو سوچنے سمجھنے سے روکا نہیں گیا کہ وہ جمود کا شکار ہو جائے، نہ ہی اس کو جبراً مسلمان بنایا جاتا ہے کیونکہ دین اسلام میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورة البقرة: ٢٥٦) کہہ کر اس بات کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ کسی کو بھی زبردستی اسلام میں داخل نہ کرو، اللہ تعالٰی نے انسان میں صحیح و غلط کا شعور رکھا ہے اور اسے دیگر مخلوقات کے مقابل غور و فکر کرنے کی صلاحیت دی ہے تو اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔

اس موضوع کی ضرورت اور اہمیت اس لیے ہے کہ دین اسلام کے مقابل جو "لادینیت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کو سیکولرزم بھی کہا جاتا ہے کہ جس میں انسان بالکل آزاد ہے پھر چاہے وہ آزادی جسمانی ہو یا فکری ہو، اس میں ہر انسان کو عقلمند اور باشعور سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی گزارنے کے لیے اپنی عقل کی بنیاد پر اپنے لیے قوانین وضع کرے

جبکہ حقیقتاً ہر انسان اتنا باشعور اور عقلمند نہیں ہوتا۔ سیکولرزم یا لادینیت دراصل یہ چاہتا ہے کہ دین و مذہب بس مساجد، مندروں، خانقاہوں اور دیگر عبادت گاہوں تک ہی محدود رہے، باقی انسان کے جو اجتماعی معاملات ہیں ان میں مذہب مداخلت نہ کرے، یعنی کہ انسان چند عبادات کر کے خود کو مطمئن کر دے کہ اس نے اپنے بندے ہونے کا حق ادا کر دیا باقی جو اسکے معاشی، معاشرتی اور سیاسی معاملات ہیں ان میں مذہب مداخلت نہ کرے بلکہ ان مسائل کو عقلی بنیاد پر حل کیا جائے۔

اکثر مختلف مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے لفظ "انسانیت" بولا جاتا ہے اور اس کے لیے جو ایک خاص اصطلاح ہے وہ سیکولرزم یا لادینیت ہے یعنی کہ ہر مذہب و فرقہ اور مسلک سے بالاتر ہو کر سب سے پہلے انسانیت ہے پھر بعد میں کوئی مذہب یا مسلک ہے۔ اس مقالے میں جو مذہب اور انسان کو سچل سرمست کے اشعار کی روشنی میں زیر بحث لایا گیا ہے تو سچل سرمست نے (1739ء سے 1827ء) سندھ کے کلہوڑا اور تالپور حکمرانوں کے ایسے دور اقتدار میں زندگی بسر کی جب مذہبی انتہاپسندی اپنے عروج پر تھی تو آپ نے مذہبی انتہاپسندی کی بیخ کنی میں نمایاں کردار ادا کیا جس کی وجہ سے مسلم و غیر مسلم ان کے بہت بڑے عقید تمند بن گئے، آپ نے اس دور کی مذہبی نفرتوں کو دیکھ کر اپنی شاعری کے ذریعے انسانیت کا درس دیا اور لوگوں کے تزکیہ نفس پر زور دیا۔

سچل سرمست صوفی شاعر تھے، انہوں نے محبت کا درس دیا کیونکہ صوفی ہوتا ہی وہ ہے جو کہ مذہب و فرقہ سے بالاتر ہو کر محبت و رواداری کا پیغام دیتا ہے، آپ نے اپنے دور کے حالات کے مطابق اپنی شاعری کے ذریعے انسان دوستی، امن و رواداری کا پیغام دیا، وہ ایک دور تھا جو گزر گیا، اب حالات یکسر بدل گئے ہیں تو ان کی وہ شاعری کوئی الہامی یا قطعیت کے درجے کی نہیں ہے کہ انسان اسی میں اپنی نجات ڈھونڈے، بلکہ آج صرف ایک ہی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے جو قطعیت کا درجہ رکھتی ہے، جس کا پیغام قیامت تک کے لیے ہے وہ صرف قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کو پڑھ کر، سمجھ کر اور اس میں بیان کردہ احکامات پر عمل کر کے ہی انسان اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکتا ہے۔

انسان کا لغوی معنیٰ:

لفظ انسان کے بارے میں اہلِ لغت کے دو قول ہیں۔ اکثر کہتے ہیں کہ اس کا مادہ ا۔ن۔س ہے اور یہ اَنَسَ یا أُنس سے مشتق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مادہ ن۔س۔ی جو کہ نسیان سے ماخوذ ہے یعنی "بھولنے والا"، تو ایک مادہ اس کا لفظی ہے اور ایک مادہ معنوی ہے۔

مصباح اللغات میں بھی انسان کا مادہ ا۔ن۔س ہے اور یہ اَنَس سے نکلا ہے جس کے معنٰی مانوس ہونا، محبت کرنا، سکونِ قلب پانا ہے۔[1]

انسان کا اسم تصغیر انسیان ہے اور اَلْنِّسیَانُ یہ نَسِیتُہُ . نِسْیَاناً کا مصدر ہے اور اس کے معنٰی کسی چیز کو ضبط میں نہ رکھنے کے ہیں۔ خواہ یہ ترکِ ضبط ضعف قلب کی وجہ سے ہو یا ازراہِ غفلت ہو، یا قصداً کسی چیز کی یاد بھلا دی جائے حتیٰ کہ وہ دل سے محو ہو جائے۔[2]

قرآنِ پاک میں ہے کہ:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[3]

ترجمہ: ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت آدم و حوّا علیہا السلام کو حکم دیا گیا کہ دونوں جنت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ ہی اس سے کچھ کھانا لیکن شیطان نے ان کو بہکایا اور انہوں نے درخت کا پھل کھالیا، اس حکم کی خلاف ورزی انہوں نے جان بوجھ کر نہیں کی بلکہ بھولنے کی وجہ سے ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی، چونکہ شیطان روزِ اوّل سے ہی انسان کا دشمن رہا ہے تو وہ انسان کو بار بار بہکاتا ہے اور اس کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، شیطان نے حضرت آدم و حوّا علیہا السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہلا پھسلا کر ممنوعہ درخت سے پھل کھانے کی ترغیب دی، شیطان نہیں چاہتا تھا کہ حضرت آدم و حوّا علیہا السلام ہمیشہ جنت میں رہیں اسی لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے دونوں کو وہ پھل کھانے ترغیب دی تو حضرت آدم و حوّا علیہا السلام نے جب حکمِ خداوندی کو بھولنے کی وجہ سے وہ پھل کھالیا تو ان دونوں کو زمین پر اتارا گیا اور یوں انسانی نسل آگے بڑھتی رہی۔

انسان کے بھولنے کے حوالے سے سچل سرمست بھی یوں فرماتے ہیں کہ:

کبھی صورت میں انسان ہوں میں
کبھی شوم، کبھی شیطان ہوں میں

---

[1] بلیاوی، ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ مصباح اللغات، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، جولائی ۱۹۹۹ء ص/۱۸

[2] اصفہانی، امام راغب، مترجم: محمد عبید فیروزپوری، مفردات القرآن (اردو)، لاہور، شیخ شمس الحق، ج/۲۔ ص/۴۸۵

[3] طٰہٰ۔ آیت: ۱۱۵۔

کبھی حفظ، کبھی نسیاں ہوں میں۔[4]

سچل سرمست فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسانی صورت میں پیدا فرمایا ہے لیکن جب وہ خدائی احکامات سے روگردانی کرتا ہے، دین و مذہب میں من مانی تاویلات کرتا ہے (کیونکہ اس دور میں دین و مذہب کے جو پیشوا تھے وہ مذہب کو اپنے مفادات کے خاطر ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے) تو اسی بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ کبھی میں بدو منحوس ہوں اور کبھی شیطانی صورت اختیار کر لیتا ہوں، کبھی کوئی بات میرے حافظے میں رہتی ہے تو کبھی میں باتیں بھول بھی جاتا ہوں۔

مختار الصحاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

''قال ابن عباس رضی الله عنه۔ إنما سُمِّیَ إنسانا لأنه عُهِدَ إلیه فَنَسِیَ''۔[5]

ترجمہ: ابن عباس فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک عہد کیا اور پھر اسے بھول گیا۔

جیسا کہ بھولنا انسان کی سرشت میں شامل رہا ہے اور اکثر شیطان کے بہکانے سے اس سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے، اپنے خالق و مالک کی طرف پلٹ آئے اور توبہ کرے نہ کہ سرکشی اختیار کرے جیسے فرعون نے سرکشی اختیار کی تو اس کا جو انجام ہوا وہ پوری دنیا کے سامنے ہے، اسی طرح انسان سے بھی بھولنے کی وجہ سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرے نہ کہ شیطان و فرعون جیسی روش اختیار کرے۔

انسان کا مفہوم:

المفردات القرآن میں انسان کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

''وَالانسَانُ قِیلَ سُمِّیَ بذلک لأنهُ خُلِقَ خِلْقةً لِا قَوامَ له اّلّا بِإنسِ بَعْضِهِم بِبَعْضٍ وهٰذا قیلَ الإنسانُ مدَنیٌّ بالّطبعِ مِنْ حیثُ لاقِوامَلبَعضُهِم اِلَّا بِبَعْضٍ ولا یُمْکِنْهُ أن یقومَ بجمیع أَسْبَابِهِ. وَقیلَ سُمّیَ بذلِکَ لأنّه یأنسُ بکُلُّ مَا یأنَفُقُ۔[6]

[4] لاشاری، رشید احمد، سچل سرمست، کراچی، سلطان حسن اینڈ سنز، ستمبر ۱۹۴۴ء، ص/۳۶۵۔

[5] الرازی، محمد بن ابی بکر عبد القادر، مختار الصحاح، بیروت، مکتبۃ لبنان، ۱۹۸۶ء، ص/۱۱

[6] الاصفہانی، ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب، المفردات القرآن فی غریب القرآن، لبنان، دار المعرفۃ، بیروت، ص/۲۸۔

ترجمہ: اور انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ایسی تخلیق ہے کہ اس کی طاقت وصلاحیت دوسرے انسانوں کی محتاج ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ انسان طبعی طور پہ صاحبِ تمدن واقع ہوا ہے، اکیلے اس کی کوئی وقعت نہیں اور اس کے لئے ممکن نہیں کہ جملہ اسباب اکیلے اس کے پاس ہوں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو انسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی اس سے اظہارِ الفت کرتا ہے یہ اس کی طرف مانوس ہو جاتا ہے۔

انسان نام رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق محبت کے عنوان پر ہوئی ہے کہ وہ آپس میں میل جول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یوں سطورِ بالا میں بیان کیے گئے معنٰی و مفہوم کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کو کسی سے انسیت بھولنے کے بغیر نہیں ہو سکتی اور بھولنا انسیت کے بغیر نہیں پایا جاتا کیونکہ جب کسی کو کسی سے انسیت ہوتی ہے تو اس کی توجہ کا مرکز وہی شخص ہوگا جس سے وہ مانوس ہے، ایسی صورت میں اپنے مانوس یعنی محبوب کے غیر سے توجہ کا زائل ہونا ضروری ہے جس کو نسیان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسان کسی چیز کو بھولتا ہے تو اس کی پوری توجہ کسی دوسری چیز کی طرف ہوتی ہے اور کسی چیز کی طرف کامل توجہ کا ہونا اُنس ہے۔ اور سچا اُنس کامل ہی تب ہوتا ہے جب محبوب کے سوا ہر شئے کو بھلا دیا جاتا ہے، تو یہاں انس و نسیان اکٹھے ہو جاتے ہیں اور انسان کی فطرت میں انس و نسیان رکھا گیا ہے اسی وجہ سے انسان کو "انسان" کہا جاتا ہے۔

انسان کا قرآنی تصور اور سچل سرمست کے اشعار:

انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی افضل واعلیٰ مخلوق ہے، جس کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا اور پوری کائنات کو اس کے لئے خادم بنایا گیا، یوں انسان اور باقی پوری کائنات کا رشتہ خادم اور مخدوم کے مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی عظیم الشان نعمت سے نوازا جس کی وجہ سے وہ تمام دوسری مخلوقات سے افضل و برتر ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو اس بات کا ذکر فرشتوں سے کیا کہ میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اور جب اس کو بنالوں تو انسانِ اوّل یعنی آدم علیہ السلام کو تعظیماً سجدہ کرنا تو سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس بات کو سچل سرمست اپنی شاعری میں یوں بیان فرمارہے ہیں کہ:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْ حِيْ ساري ڳالھ سلي ٿو.[7](ڪافي بروه ٥٨٣)

[7] بيگ،مرزا علي قلي،(تصحيح ۽ مقدمو) ڊاڪٽر نواز علي شوق،رسالو ميان سچل فقير جو (حصو اول)،ڪراچي،سنڌيڪا اڪيڊمي،٢٠٠٨ء،ٿيون ايڊيشن،ص:٤٠٢۔

ترجمہ: اور میں اس میں اپنی خاص روح پھونکوں گا۔

یہ ساری بات وہ ان سے کرتا ہے۔

یہاں سورۃ الحجر کی (آیت: ۲۹) کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو یہ بات انہوں نے فرشتوں کو بتائی کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے والا ہوں کہ جب اس میں اپنی خاص روح پھونکوں تو تم اس کو تعظیماً سجدہ کرنا، اس شعر میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سچل سرمست فرما رہے ہیں کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس کا ذکر کیا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں گا تو تم سب اس کو سجدہ کرنا تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ یوں انسان مسجودِ ملائکہ ٹھہرا اور فرشتوں سے افضل مخلوق قرار پایا۔

سچل سرمست نے انسان کی فضیلت کو اپنی شاعری میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

مَلَڪن ٿي سجدا ڪيا،واھ مٽي تنھنجو مانُ.[8] (وحدت داستان پھريون ڪافي ١٦)

ترجمہ: فرشتوں نے سجدے کیے، واہ مٹی تمہارا کمال۔

اس میں سچل سرمست نے انسان کی شان اور فضیلت بیان کی ہے کہ انسان کو ایک عام سی مٹی سے پیدا کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات کا وہ درجہ عطا فرمایا کہ فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا کہ وہ مسجودِ ملائکہ ٹھہرا اور تمام دوسری مخلوقات کو انسان کی خدمت پر معمور کیا تو لہٰذا انسان اپنی عظمت اور مقام کو پہنچانے کہ وہ پیدا تو ایک عام مٹی سے کیا گیا لیکن اس کو وہ مقام عطا کیا گیا کہ ملائکہ نے اس کو سجدہ کیا۔ اس طرح اس کو ملائکہ پر فضیلت عطا کی گئی۔

لیکن انسان کبھی افراط پر اترتا ہے تو غرور و تکبر اور سرکشی کرنے لگتا ہے اور جبر و قہر کا دیوتا اور شر و فساد کا مجسمہ بن جاتا ہے اور کبھی تفریط پر اترتا ہے تو اپنے آپ کو ذلیل ہستی سمجھ لیتا ہے پھر درخت، پتھر، سورج، چاند تارے غرض کہ ہر اس چیز کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے جس کے اندر کسی قسم کی طاقت یا منفعت نظر نہیں آتی، جبکہ انسان

8 انصاري،عثمان علي،رسالو سچل سرمست(سنڌي ڪلام)،حيدرآباد،سنڌي ادبي بورڊ،جولائي ٢٠١٢ء،ص:١٠٢۔

کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اپنے حقیقی خالق و مالک کے سامنے سجدہ ریز ہو اور دوسری مخلوقات کو صرف اپنے فائدے کے لئے استعمال کرے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں ہوا ہے کہ:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [9]

ترجمہ: اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لئے تابع کر دیا ہے، جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔

سچل سرمست چونکہ صوفی شاعر تھے اور تصوف میں وحدۃ الوجود کے قائل تھے تو آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ انسان اپنا تعلق اپنے خالق و معبود سے ایسا جوڑ لے کہ دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اس حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ:

ٻانهون پاڻَ مَ پاڻ تون ته آهين مالڪ مُلڪ جو۔[10]

ترجمہ: تم خود کو بندہ نہ سمجھو بلکہ تم خود ہی مالک و بادشاہ ہو۔

سچل سرمست کے نزدیک انسان کے لئے اتنی عزت ہے کہ وہ انسان کا تعلق خدا کے ساتھ میں بھی اس کو خدا کا بندہ اور غلام نہیں سمجھتا بلکہ آپ کے نزدیک انسان کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہ خود خدا بن جاتا ہے، اسی لئے وہ اس شعر میں فرما رہے ہیں کہ تم خود کو کسی کا بندہ نہ سمجھو بلکہ تم خود ہی مالک و بادشاہ ہو۔

انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ جو جلد باز بھی ہے اور مصیبت کے وقت جلد مایوس بھی ہو جاتی ہے، انسان کی جلد بازی ہی ہوتی ہے کہ وہ نعمت کے ملنے پر پھول جاتا ہے اور مصیبت آنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے، جبکہ مایوسی کو کفر قرار دیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر توکل نہ رکھے اور خود کو حالات اور دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ اس دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو مصائب و آلام کا شکار نہ ہوا ہو اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو نہ پکارتا ہو لیکن جب اس پر سے مصیبت کو دور کیا جاتا ہے تو پھر سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے لگ جاتا ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں ہوا ہے کہ:

---

9 الجاثیہ۔آیت:۱۳۔

10 بيگ،مرزا علي قلي،(تصحيح ۽ مقدمو) ڊاڪٽر نواز علي شوق،رسالو ميان سچل فقير جو (حصو اول)،ڪراچي،سنڌيڪا اڪيڊمي،۲۰۰۸ء،نئون ايڊيشن ص/۵۶۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْر[11]

ترجمہ: اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے۔

قرآنِ مجید نے اس فطری کمزوری کا حل یہ بتایا ہے کہ مصیبت میں مایوس ہونے کی بجائے رحمتِ الٰہی پر نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر شے پر محیط ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ[12]

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

سچل سرمست بھی اپنی شاعری میں انسان کو یہ درس دیتے ہیں کہ اس کو حالات و مشکلات کے سامنے جلد مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اگر پہاڑ جتنے بھی مسائل و مشکلات ہوں تو ہمت و حوصلے سے ان کا سامنا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہونا چاہیے کہ اس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے تو انسان کے جلد مایوس ہو جانے پر سچل سرمست یوں فرماتے ہیں کہ:

ڪنهن ويل نٿا وسارن،
عاشق نه ٿج تونماندو،
نَحْنُ اَقْرَبُ ايها اشارت،
گڏ تو ئي سان گذارن[13] (ڪافي سُر توڏي ٢٦٨)

ترجمہ: کسی بھی وقت وہ بھولتا نہیں
اے عاشق تم مایوس نہ ہو
ہم اس کے قریب ہیں یہ ایک اشارہ ہے
کہ ہر وقت وہ تمہارے ساتھ ہے

---

[11] هود۔آیت:٩

[12] الاعراف۔آیت:١٥٦

[13] بیگ،مرزا علي قلي،رسالو ميان سچل فقير جو،حوالو اڳ آيل آهي،ص:٢٤٣۔

اس میں سچل سرمست فرمارہے ہیں کہ انسان کو جلد مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا کی ذات ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتی ہے وہ جہاں بھی جاتا ہے وہ ذات ہر پل اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتی ہے، اس بات کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۃ "ق" کی آیت: ۱۶ میں آیا ہے کہ ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں تو وہی پیغام اپنی شاعری کے ذریعے سچل سرمست دے رہے ہیں کہ اللہ تعالی کی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ خالق اپنی مخلوق کو نہیں بھولتا بلکہ شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوتا ہے۔

دین و مذہب کے مقابل لادینیت اور سچل سرمست کے اشعار:

دین و مذہب کے مقابل جو لادینیت ہے جس کو سیکولرزم بھی کہا جاتا ہے، تو بنیادی طور پر اس کا آغاز یورپ سے ہوا جہاں کلیسائی نظام تھا اور جس کا پورا نظام پادریوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ انہوں نے سیاست کی اور عوام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی کسی کو بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کے آگے کچھ بولیں بلکہ جو بھی فیصلہ کرنا ہوتا تھا وہ پادری ہی کرتا تھا اور عوام پر لازم تھا کہ وہ اس کو من و عن قبول کرے۔ اگر کوئی بھی ان کے فیصلے کے خلاف جاتا تو ان کو سزائیں دی جاتی تھیں اور بالآخر ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے پھر یہ انسان کی فطرت رہی ہے کہ جب ظلم و ستم بڑھنے لگتا ہے تو وہ بغاوت پر اُتر آتا ہے۔

اسی طرح اگر سچل سرمست کے دور کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دور کے حالات بھی یورپ سے مختلف نہیں تھے، جس دور میں آپ نے آنکھ کھولی تو وہ ایک پُرآشوب دور تھا اور اس دور کے حالات کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کو سات زبانوں پر دسترس حاصل تھی، اسی لیے آپ کو شاعرِ ہفت زبان بھی کہا جاتا ہے اور ایک بڑے شاعر کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کا ترجمان ہوتا ہے تو ویسے ہی آپ نے بھی اپنی شاعری میں اس دور کے حالات کی ترجمانی کی اور اپنی شاعری کے ذریعے انسان دشمن رسم و رواج کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا اور اس دور کے حالات کے خلاف احتجاج کیا، آپ کے دور میں مذہبی شدت پسندی بہت زیادہ تھی، اس دور میں جنگیں ہوئیں، لوگوں کا قتلِ عام ہوا، بستیوں و شہروں کو ویران کر دیا گیا، دین و مذہب کے ٹھیکیداروں نے لوگوں میں تفرقہ ڈال دیا، لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرتوں کو پیدا کیا گیا جس کی وجہ سے فتنہ و فساد مزید پھیلا۔

اہلِ یورپ کے حالات:

AL-RAHEEQ International Research Journal
Vol. 3, No. 2 || July-December 2024 || P. 25-56

یورپ میں آٹھویں صدی عیسوی سے سولہویں سترہویں صدی عیسوی تک پاپائیت و بادشاہت نے نظام سنبھالا ہوا تھا، مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق عوام کی بجائے ایک مخصوص طبقے کے سپرد کیا گیا تھا۔[14] اہلِ یورپ پر جب پادریوں کے مظالم بڑھنے لگے تو وہ بھی بغاوت پر اُتر آئے، شروع میں تو اہلِ یورپ نے اس پاپائیت اور بادشاہی نظام کو قبول کر لیا اور جو حکم بھی وہ دیتے تھے اس کو بجالاتے تھے اور پادریوں نے بھی جب محسوس کیا کہ وہ اپنی دھاک بٹھا چکے ہیں اور لوگ ان پر اعتماد کرنے لگے ہیں تو وہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے عوام کو لوٹنا شروع کر دیا، عام عوام کو مقدس کتاب سے دور رکھا گیا بس جو پوپ حکم صادر فرماتا وہی پتھر پر لکیر کے برابر ہوتا تو ان پادریوں نے بھولی عوام کو اس طرح لوٹنا شروع کر دیا کہ انہوں نے معافی ناموں کی ابتداء کی کہ جو بھی اپنے گناہ بخشوانا چاہے تو وہ ہم سے معافی نامہ خریدے حتیٰ کہ جو فوت شدہ لوگ ہیں ان کے لئے بھی معافی نامہ ہے کہ وہ خرید نے سے ان کی بھی بخشش ہو جائے گی، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے عیسائی مذہب میں اپنی من مانی تحریفات شروع کر دیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور ان میں عقیدہ تثلیث نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں تو ان لوگوں نے معافی ناموں کے ذریعے لوگوں کو لوٹنا شروع کیا کہ عام عوام سے پیسہ وصول کر کے وہ خود عیاشیاں کرتے رہیں۔

معافی نامہ:

ان کا جو معافی نامہ تھا اس کو شیخ احمد دیدات نے اپنی کتاب میں یوں بیان کیا ہے کہ:

"تم پر خدا یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے مقدس ترحم سے (گناہوں کی سزا سے) آزاد کرے، تمہارے ہر ایک گناہ، حدود شکنی اور زیادتی سے، خواہ وہ کیسے ہی شدید کیوں نہ ہوں وہ سزا تم سے اٹھالیتا ہوں، تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ"۔[15]

معافی نامہ کی قیمت:

پھر اسی معافی نامے کے ساتھ جو ایک عام انسان سے گناہ سرزد ہو جاتے تھے تو ان میں سے چند ایک گناہ ایسے تھے جن کی قیمتیں بھی مقرر کی گئیں اور اگر کسی سے وہ گناہ سرزد ہو جائیں تو وہ ان گناہوں کی قیمت ادا کر کے

[14] دیدات، شیخ احمد، مترجم مصباح اکرم، یہودیت عیسائیت اور اسلام، لاہور، عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ص/۱۹۱

[15] ایضاً۔ ص/۱۹۹۔

معافی نامہ خرید لیتا تھا اور مطمئن ہو جاتا تھا کہ اب مرنے کے بعد میری بخشش ہو جائے گی اور میں جہنم کے عذاب سے بچ جاؤں گا، جو چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں مقرر کی گئی تھیں ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔	اسقاطِ حمل۔	۳/شلنگ ۶/پنس
۲۔	چوری۔	۹/شلنگ
۳۔	عفیفہ کی عصمت دری۔	۹/شلنگ
۴۔	زنا کی بھیانک صورتوں میں۔	۷/شلنگ ۶/پنس
۵۔	قتل۔	۷/شلنگ ۶/پنس۔[16]

پاپائیت کے نظام نے مذہب کے نام پر عام عوام کو لوٹا اور اپنے خزانے بھرتے رہے، عام آدمی پر علوم و فنون کے تمام دروازے بند کر دیئے، سارے نظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی، لوگوں کو بس اس دنیا اور آخرت تک محدود رکھا کہ ہماری غلامی کرو گے تو کل مرنے کے بعد نجات پا کر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس حوالے سے مولانا محمد تقی امینی یوں رقمطراز ہیں کہ:

''مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دیا تھا جس کی بناء پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا انہیں مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دیا گیا''۔[17]

یعنی کہ انسان جمود کا شکار ہو گیا تھا ان کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتوں کو سلب کیا گیا اور اگر کوئی جرأت کرتا ان کے سامنے کچھ بولنے کی تو اس کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا۔

سچل سرمست کے دور میں بھی کم و بیش یورپ جیسے ہی حالات تھے، جس کی وجہ سے لوگوں میں مایوسی پھیل گئی تھی، لوگ ذہنی غلام بن گئے تھے کہ جیسے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو سَلب کیا گیا ہو تو ایسے حالات میں سچل سرمست نے بھی مذاہب سے بیزاری کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ:

مَذهبن مُلڪ ۾ ، ماڻهو منجهايا ،

---

[16] ایضاً۔

[17] امینی، محمد تقی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، کراچی، نفیس اکیڈمی، مئی ۱۹۸۷ء، ص/۳۹۔

AL-RAHEEQ International Research Journal
Vol. 3, No. 2 || July-December 2024 || P. 25-56

شيخي ، پيري ، بزرگي ، بيحد پلايا۔[18]

ترجمہ: یہ مذاہب نے ممالک میں لوگوں کو الجھادیا ہے
شیخوں، پیروں، بزرگوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

اس شعر کے ذریعے آپ یہ پیغام دے رہے ہیں کہ مذاہب نے اور فرقہ واریت نے لوگوں سے ان کی روحانی بصیرت چھین لی ہے، پیری مریدی نے لوگوں کو اصل راہ سے گمراہ کر دیا ہے۔ سچل سرمست کے دور میں مذہبی قیادت کرنے والے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے لوگوں کے اندر منافرت بڑھا رہے تھے اور لوگوں میں برداشت، بھائی چارہ اور رواداری ناپید ہو گئی تھی تو اسی لیئے سچل سرمست نے فرمایا کہ یہ شیخوں، پیروں و بزرگوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔

انقلابِ فرانس اور سیکولرزم کا آغاز:

سیکولرزم کے آغاز کی ایک کڑی فرانس کا انقلاب ہے کہ وہاں بھی بادشاہت کا راج تھا، بادشاہوں اور پادریوں کے پاس سارے اختیارات تھے کہ ان کے آگے کوئی بھی چوں وچرا نہیں کر سکتا بلکہ سب پر لازم تھا کہ وہ ان کی اطاعت کریں۔ فرانس کے معاشرے کا جو پورا نظام تھا وہ تین طبقات کے پاس تھا۔

"عامۃ الناس کے تین حاکم تھے، پادری، امیر اور بادشاہ۔ ان تین طبقات کے پاس ہی سارا اختیار تھا کہ یہ جو چاہیں کریں۔[19]

اہلِ فرانس بھی ایک عرصہ تک ان تینوں طبقات کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان طبقات نے عام عوام کا کوئی خیال نہ کیا بلکہ غفلت کا مظاہرہ کیا، اپنے فرائض سے غافل رہے، انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ عام عوام کی کیا ضروریات ہیں اور وہ کن سہولیات کے محتاج ہیں۔

پادریوں اور امراء نے جب غفلت کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کے جو جائز حقوق تھے وہ ان کو نہ ملے تو عوام میں مایوسی پھیلنے لگی اور مذہب سے اور کلیسا سے جو ان کو لگاؤ تھا جس پر وہ فخر محسوس کرتے تھے تو آہستہ آہستہ وہ ان تینوں طبقات سے متنفر ہو گئے اور مذہب سے بیزار ہو گئے، ان کا یہی ماننا تھا کہ مذہب انسان کی ترقی میں رکاوٹ ہے، اسی

---

[18] بيگ،مرزا علي قلي،رسالو ميان سچل فقير جو ،حوالو اگ آيل آهي، ص:۵۴

[19] مولوی عبدالقادر صاحب، انقلاب فرانس، دہلی، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۳۹ء، ص/۱۹۔

زمانے میں پھر ایسے فلسفی اور ادیب پیدا ہوئے جنہوں نے عام عوام میں شعور پیدا کیا کہ وہ اپنے حق کے لئے لڑیں اس کے لئے آواز اٹھائیں تو یوں بادشاہ اور کلیسا کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا گیا جو ایک انقلاب کی شکل میں رونما ہوا:

"اس کو انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء کا انقلاب بھی کہا جاتا ہے، اس انقلاب کو لادینیت Secularism کی فتح تصور کیا جاتا ہے، اس انقلاب کے بعد مذہب کی بجائے لادینی بنیادوں پر نظامِ زندگی کو تشکیل دیا گیا"۔[20]

اس انقلاب نے سیکولرزم کو فروغ دیا اور یہاں سے سیکولرزم کا باقاعدہ آغاز ہوا کہ مذہب کو سیاست و ریاست سے بالکل ہی الگ کیا جائے اس انقلاب کا نعرہ یہ تھا:

"آزادی، اخوت، مساوات"۔[21]

انقلابِ فرانس میں جو آزادی، اخوت اور مساوات کا نعرہ لگایا گیا تو وہ اسی لیے لگایا گیا کہ پادری اور امراء جو خود کو اعلیٰ و افضل سمجھتے تھے اور باقی عوام کو کیڑے مکوڑے تصور کرتے تھے جس کی وجہ سے عام لوگ زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم تھے اور کلیسائی نظام کے محتاج بن کر رہ گئے تھے تو سچل سرمست نے ایسے لوگوں کے لئے ہی فرمایا کہ جو یہ تصور کرتے ہیں کہ عام لوگ ہماری خدمت پر معمور کیے گئے ہیں اور عیش و آرام کی زندگی بس ہم ہی گزار سکتے ہیں تو ان کے لئے ہی آپ فرمارہے ہیں کہ:

خيال بزرگي ريئي ڇڏ تون،منگ نه تون مخدومي،
نڪي پير مشائخ ٿج تون،نڪي ٿج نجومي۔[22]

ترجمہ: اپنے ذہن سے بزرگی کا خیال نکال دو اور مخدومی نہ مانگو
نہ ہی پیر اور مشائخ بنو تم، نہ ہی نجومی بنو تم

سچل سرمست فرمارہے ہیں کہ اپنے من سے یہ شیخی اور بزرگی کا خیال نکال دو، نہ ہی یہ خواہش رکھو کہ کوئی انسان تمہاری خدمت پر معمور ہو، یہ ظاہری عبادتیں کر کے لوگوں کو بیوقوف بنانے سے باہر نکل آؤ اور اپنی جھوٹی کرامتوں کے ذریعے لوگوں کو بیوقوف مت بناؤ۔ سچل سرمست اس میں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اس بھول میں نہ

---

[20] فریاد، ڈاکٹر شاہد، سیکولرازم ایک تعارف، لاہور، کتاب محل، ص/۱۳۲۔
[21] عسکری، محمد حسن، جدیدیت یا مغربی گمراہی کی تاریخ کا خاکہ، لاہور، عکس پبلشرز، ص/۵۱۔
[22] بيگ،مرزا علي قلي،رسالو ميان سچل فقير جو،حوالو اڳ آيل آهي،ص:۵۴

رہو کہ تم ہی پیر و بزرگ شیخ و مخدوم ہو بلکہ اس خواب و خیال کی دنیا سے باہر نکل آؤ اور اپنی اصل منزل اور حقیقت کو پہچانو۔

انقلابِ فرانس میں جو آزادی کا نعرہ لگایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان آزاد ہے وہ جو چاہے کرے اس پر کوئی قدغن نہیں، اخوت کا مطلب یہ ہے کہ سارے انسان برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ان سب کی جسمانی اور نفسیاتی ضروریات ایک جیسی ہیں اور مساوات کی بناء پر سب لوگوں کی معاشرتی ضروریات بھی ایک جیسی ہیں۔ اس انقلاب کے بعد بادشاہوں اور چرچ کے پادریوں کے پاس جو کچھ بھی تھا اس کو عوامی تحویل میں لے لیا گیا کہ اب عام آدمی کو بھی مساوات کی بناء پر سب کچھ ملے گا، اس طرح انہوں نے آزادی و مساوات کا نعرہ لگایا کیونکہ وہ کلیسا کے مظالم کی وجہ سے مذہب سے بیزار ہو گئے تھے اور مذہب سے ہر طرح کی آزادی چاہتے تھے اور مذہبی رسومات کو ختم کر کے محدود کرنا چاہتے تھے کہ وہ صرف انفرادی زندگی تک محدود رہے کیونکہ ان کے نزدیک مذہب ہی انسانی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

سیکولرزم کی اصطلاح:

"جارج جیکب ہولیو کی جو ۱۳/اپریل ۱۸۱۷ء میں برمنگھم میں پیدا ہوا اور اس نے ۲۲/جنوری ۱۹۰۶ء میں وفات پائی"۔[23]

"اس نے ۱۸۴۶ء میں سب سے پہلے سیکولرزم کی اصطلاح استعمال کی"۔[24]

جارج جیکب ہولیو کی بھی اس وقت کے کلیسائی نظام سے متنفر ہو گیا تھا اور اس نے پہلی بار سیکولرزم کی اصطلاح استعمال کی کہ مذہب کو محدود کیا جائے کہ وہ لوگوں کے اجتماعی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ جارج جیکب ہولیو کی مذہب سے اس قدر بیزار تھا کہ ایک جگہ اس نے یہ الفاظ تک ادا کر دیئے کہ:۔

"میں خدا کا نام بھی نہیں سننا چاہتا، مذہب کا سوچ کر ہی مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، میں بائبل سے اس طرح دور بھاگتا ہوں جیسے کوئی سانپ سے"۔[25]

[23] https://www.secularism.org.uk/george-jacob-holyoake-html.

[24] ایم اختر، سول سوسائٹی، سیکولرازم اور لبرل ازم، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء، ص/۳۴۔

ہولیوکی کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مذہب کو انسان کے لئے کس قدر خطرناک چیز تصور کرتا تھا کہ جس سے دور رہنے میں ہی انسان کی عافیت ہے۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپ طلب ہے کہ سیکولرزم کی اصطلاح استعمال کرنے کے بعد جارج جیکب نے اس کے لئے کیا اصول بنائے تو ان میں سے چند اصول یہ ہیں:

۱۔ مذہب اور ریاست میں تفریق ہو گی۔
۲۔ ہر شخص مذہب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہے۔
۳۔ کسی بھی قسم کے فائدے یا نقصان کے حصول میں مذہب سے وابستگی یا عدم وابستگی کا عمل دخل نہیں ہو گا۔
۴۔ سیکولرزم کا مقصد مادی طور پر انسانی فلاح و بہبود کا پرچار کرنا ہے۔
۵۔ سیکولرزم میں ایجابی پہلو کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گی تاکہ اس پر عمل پیرا شخص اس بات کو جان سکے کہ فطرت کیا ہے؟ اخلاقیات میں کون سے اُمور داخل ہیں؟ جس کے نتیجے میں انسان درست اور تعمیری پہلوؤں کو اختیار کر سکتا ہے۔[26]

ان اصولوں کو اتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ہر انسان سیکولرزم کی طرف لپکتا ہے کہ ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے سے تمام مشکلات حل ہو جائیں گی اور مذہب کا کانٹا بھی دور ہو جائے گا، بظاہر تو یہ اصول اتنے خوشنما نظر آتے ہیں کہ ہر انسان ہی ان میں اپنی عافیت سمجھتا ہے لیکن یہ معاشرے میں زہر گھولنے کے مترادف ہیں کہ جس میں مذہب کو صرف انفرادی زندگی تک محدود کر دیا جاتا ہے۔

سیکولرزم کا معنٰی:

Chamber's ڈکشنری میں سیکولرزم کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

The view or belief that society's values and standards should not be influenced or controlled by religion or the Church.[27]۔

[25] الازھار، ڈاکٹر جنید اکبر، محمد حیات خان کا مضمون "جارج جیکب ہولیوسی کے اصول سیکولرزم کا تجزیاتی مطالعہ" جون ۲۰۱۹ء، زرعی یونیورسٹی پشاور، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جلد/۵۔(شمارہ نمبر:۱) ص/۱۲۴۔

[26] ایضاً۔ ص/۱۲۶۔

[27] Robinson, Mairi, Chambers 21st Century Dictionary, Chambers Harrap Publishers, 2002, Pg: 1269.

ایسا نظریہ یا اعتقاد جس سے معاشرے کے اقدار یا معیارات متاثر نہیں ہونے چاہییں یا مذہب اور چرچ ان کو اپنے کنٹرول میں نہ رکھے۔

سیکولرزم کی اقسام:

سیکولرزم کی دو اقسام ہیں:

۱۔ انتہا پسند سیکولرزم۔

۲۔ اعتدال پسند سیکولرزم۔

۱۔انتہا پسند سیکولرزم:

اس کے مطابق مذہبی عقائد اور معاملات مکمل طور پر غلط اور بیکار ہیں اور مذہب کو ختم کر دیا جائے۔

۲۔اعتدال پسند سیکولرزم:

اس کے مطابق مذہب کو ہر گز تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے، مذہب کو حکومت میں نہیں لیکن عام زندگی میں رکھنا چاہیے۔[28]

سیکولرزم کی ان اقسام سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کو یا تو بالکل ختم ہی کر دیا جائے یا بالکل ہی محدود کر کے انسان کی انفرادی و ذاتی زندگی تک محدود کیا جائے کہ انسان جس طرح چاہے عبادت کرے، چاہے تو ایک خدا کو مانے یا ہزار خداؤں کو مانے ان سب معاملات میں انسان بالکل آزاد ہے لیکن انسان کی جو اجتماعی زندگی ہے جس میں سیاسی نظام، عدالتی نظام، معاشرتی نظام آجاتا ہے تو اس میں انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ مذہب کو بیچ میں نہ لائے بلکہ اپنی عقل و فہم کے مطابق جس کو چاہے حلال و حرام اور جائز و ناجائز قرار دے اس میں مذہب مداخلت نہیں کرے گا۔

سچل سرمست کی ولادت سے قبل کے واقعات:

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے اسلام سندھ میں آیا اس لئے سندھ کو ''باب الاسلام'' بھی کہا جاتا ہے۔ سندھ کے لوگ امن پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ تھے جن کی منزل محنت کرنا اور معاشی حالات بہتر بنانا تھے۔ سندھ میں ہر مذہب کے لوگ مل جل کر رہتے تھے جن میں ہندو مسلم، سکھ اور بدھ مت سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ سندھ کی سرزمین چونکہ زرخیز تھی اور قدرتی

---

[28] ایم اختر، ''سول سوسائٹی، سیکولرازم اور لبرل ازم'' محولہ بالا، ص/۳۴۔۳۵۔

وسائل سے مالا مال تھی اور جنگجو و ظالم لوگ ہمیشہ ایسے خطوں اور علاقوں پر حملہ آور ہو کر وہاں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو سندھ دھرتی پر بھی کئی جنگجوؤں نے لڑائیاں لڑیں اور فتنہ وفساد پھیلایا صرف وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے اور اس طرح پے در پے حکمران آتے گئے جو اپنا تسلط وہاں قائم کرنا چاہتے تھے اور ان سب کے بیچ سرسبز و شاداب سندھ ویران ہوتی گئی، لوگوں کا قتلِ عام ہونے لگا، لوگوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا کہ وہ ذہنی مفلوج بن کے رہ گئے تھے، ہر وقت جنگ و لڑائی کے بادل ان کے سر پر منڈلاتے رہتے تھے کہ کسی بھی وقت جنگ چھڑ سکتی ہے، سچل سرمست کی ولادت سے قبل اور ان کی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ان کو اختصار کے ساتھ ڈاکٹر نواز علی شوق نے یوں بیان کیا ہے کہ:

۱۔	خان قلات کا سندھ پر حملہ	۳۱۔۱۷۳۰ء
۲۔	کلہوڑوں کا کھسڑا شہر پر حملہ	۳۳۔۱۷۳۲ء
۳۔	دھاریجہ اور لکرالہ قبائل کے درمیان لڑائیاں	۱۷۳۹ء
۴۔	نادر شاہ کا سندھ پر ظالمانہ حملہ	۴۰۔۱۷۳۹ء
۵۔	احمد شاہ ابدالی کا سندھ پر خونی حملہ	۱۷۵۴ء
۶۔	میاں مرادیاب اور میاں غلام شاہ کے درمیان جنگ	۱۷۵۷ء
۷۔	میاں غلام شاہ اور بھائی عطر خان کے درمیان جنگ	۱۷۵۸ء
۸۔	کچھ کے راجہ کا سندھ پر حملہ	۶۴۔۱۷۶۳ء
۹۔	میر بہرام اور میر صوبدار کی شہادت سندھ میں سرد جنگ کی ابتداء	۱۷۷۵ء
۱۰۔	میاں سرفراز کی معزولی اور میاں غلام شاہ کی تخت نشینی، باہمی لڑائی اور فسادات	۱۷۷۶ء
۱۱۔	کلہوڑا اور تالپر خاندانوں کے درمیان جنگ	۱۷۷۶ء
۱۲۔	ہالانی میں کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان جنگ	۱۷۷۶ء
۱۳۔	عزت یار خان پٹھان اور میاں عبدالنبی کے درمیان لکھی اور شکارپور میں جنگ	۱۷۸۱ء
۱۴۔	تیمور شاہ بن احمد شاہ کا سندھ پر حملہ	۸۲۔۱۷۸۱ء
۱۵۔	مدد خان پٹھان کا سندھ پر وحشتناک حملہ	۱۷۸۴ء

۱۶۔	کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان جنگ	۱۷۸۲ء
۱۷۔	تالپور خاندان کی حکمرانی سندھ حکومت کا بٹوارہ	۱۷۸۲ء
۱۸۔	میر عبداللہ و میر فتح خان کی شہادت	۱۷۸۳ء
۱۹۔	دلاور خان پٹھان کا سندھ پر حملہ	۱۷۸۸ء
۲۰۔	شاہ شجاع کا سندھ پر حملہ کھرڑی کی جنگ	۱۸۰۳ء
۲۱۔	سکھوں کا سندھ پر پہلا حملہ	۱۸۲۳ء
۲۲۔	سکھوں کا سندھ پر دوسرا حملہ	۱۸۲۵ء۔[29]

سطور بالا میں جن جنگوں اور لڑائیوں کا ذکر کیا گیا ہے تو ان واقعات نے سندھ کی سرزمین پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے کہ لوگوں کے معاشی و سماجی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، ان ظالمانہ کاروائیوں کی وجہ سے شہر اور بستیاں اُجڑ گئیں ایک خانہ جنگی کا ماحول برپا ہو گیا تھا کہ جو بھی طاقتور آتا اپنا اقتدار حاصل کرنے کے لئے مظلوموں پر ظلم ڈھاتا۔

سماجی حالات:

سچل سرمست کی ولادت سے پہلے دو واقعات ایسے ہوئے تھے کہ جن کی وجہ سے سندھ کی سرزمین پر ایک زبردست معاشی، سیاسی اور سماجی ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ ایک واقعہ صوفی شاہ عنایت جھوک والے کا جو سچل سرمست کے پیدا ہونے سے بائیس برس پہلے پیش آیا تھا، دوسرا پیدائش سے صرف چھ برس پہلے مخدوم عبدالرحمٰن کھھڑا کا واقعہ پیش آیا تھا۔

صوفی شاہ عنایت کا واقعہ:

شاہ عنایت شہید سندھ کے شہر ٹھٹھہ سے ۳۵/ میل دور ایک بستی جھوک میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۶۵۵ء ان کی پیدائش کا سال ہے ان کے والد کا نام مخدوم فضل اللہ تھا اور آپ کا نسب نامہ یہ ہے:

"شاہ عنایت ولد مخدوم فضل اللہ بن شہاب الدین بن ملا یوسف بن ملا آجب بن مخدوم خدا آگاہ بن حضرت صد اللہ عرف صدو لانگاہ"[30]

---

[29] شوق، ڈاکٹر نواز علی، سچل سرمست (تاریخ، تصورف اور شاعری)، کراچی، سندھیکا اکیڈمی، ستمبر ۲۰۰۹ء، ص/۲۹۔۲۸۔

جوانی کی ابتدائی منزلوں میں قدم رکھتے ہی صوفی شاہ عنایت کو مرشد کی جستجو ہوئی اسی تلاش و فکر میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملتان پہنچے وہاں آپ کی ملاقات شمس شاہ سے ہوئی، انہوں نے آپ سے کہا کہ دکن میں جاکر شیخ کامل شاہ عبد الملک برہانپوری سے اکتساب فیض کرو، آپ دکن پہنچے اور سید عبد الملک سے روحانی تربیت حاصل کی اور عظیم مجاہدات کئے۔[31]

جھوک میں حکمران بس اپنی عیاشیوں میں مگن تھے، وہ غریب مزدور اور کسانوں کو ان کے ہی حقوق سے محروم رکھتے تھے اور زمینوں کی کاشت کاری سے ان کو اتنا بھی حصہ نہیں ملتا تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال کا پیٹ پال سکیں۔

سندھ میں چونکہ صدیوں سے جاگیر دارانہ نظام جاری تھا تو ایسے وقت میں صوفی شاہ عنایت نے جھوک میں مقامی کسانوں کے لئے آواز اٹھائی اور کسان اور مزدور جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہوتے گئے، اس تحریک کو عوام میں بہت پذیرائی ملی کیونکہ عام اور کمزور لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے تو اس تحریک نے لوگوں میں جیسے کہ نئی زندگی پیدا کر دی، صدیوں سے جو لوگ اس چکی میں پستے آرہے تھے تو اب اس تحریک کے آغاز سے ان کو حقوق ملنا شروع ہو گئے تھے۔

صوفی شاہ عنایت کی اس تحریک کا ایک نعرہ تھا اور وہ یہ تھا کہ:

''زمین اللہ جی آہے جیکو کھیڑے سو کھائے (زمین خدا کی ہے جو لگائے گا وہ کھائے گا'')۔[32]

صوفی عنایت شاہ نے یہ نعرہ اس لئے لگایا تھا کہ اس وقت کے حاکم، وڈیرے اور ان کے کارندوں نے تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کی کاشت کاری کسان کرتے تھے تو ان کو اپنی زمین کا حصہ بھی نہیں دیتے تھے اس حوالے سے سید مظہر جمیل یوں رقمطراز ہیں کہ:

''کاشت کار جو زمین کا سینہ چیر کر دانہ گندم نکالتا ہے، لقمہ گندم کے لئے ترستا ہی رہ جاتا ہے اور بڑے بڑے قطعاتِ اراضی مذہبی اداروں، خانقاہوں، درگاہوں اور بااثر پیروں کو دے دی گئی تھیں''۔[33]

---

30 مری، ڈاکٹر شاہ محمد، جھوک جنگ کا کمانڈر شاہ عنایت شہید، کوئٹہ، سنگت اکیڈمی آف سائنسز، ۲۰۱۴ء، ص/۱۹۔۱۸۔

31 قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیائے سندھ، کراچی، اردو اکیڈمی سندھی، نومبر ۱۹۵۹ء، ص/۱۳۵۔

32 مری، ڈاکٹر شاہ محمد، جھوک جنگ کا کمانڈر شاہ عنایت شہید، محولہ بالا، ص/۳۶۔

33 جمیل، سید مظہر، جدید سندھی ادب، کراچی، اکادمی بازیافت، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص/۳۹۷۔

صوفی شاہ عنایت کی اس تحریک کے بعد کسانوں کو ان کے حقوق ملنے لگے وہ غلامی کی دلدل سے باہر نکل آئے، تمام زمین پر اجتماعی کاشت کاری ہونے لگی، سب مل جل کر کھیتی باڑی کرتے تھے اور اس سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا تھا اس کو مساوی طور پر آپس میں تقسیم کر لیتے تھے، وہاں کے مقامی جاگیر داروں اور زمینداروں نے جب اس تحریک کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھی تو اسے کچلنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا اور صاحبِ اقتدار لوگوں نے نہتے کسانوں پر حملہ کیا اور اس طرح ایک جنگ شروع ہو گئی اور ہزاروں لوگ قتل ہوئے، صوفی شاہ عنایت کو بھی سازش کے تحت دھوکے سے گرفتار کیا گیا اور ان کے معتقدین کو مار بھگا کر منتشر کر دیا اور تحریک کو دبا دیا گیا۔

صوفی شاہ عنایت کو ۷/جنوری ۱۷۱۸ء میں ۶۳/سال کی عمر میں بیدردی سے شہید کیا گیا۔[34]

مخدوم عبدالرحمٰن کھسڑا کا واقعہ:

دوسرا واقعہ جو حضرت سچل سرمست کی پیدائش سے چھ برس پہلے رونما ہوا تھا اس کو شفقت تنویر مرزا نے یوں بیان کیا ہے:

''نظامت بکھر کے موضع کھسڑا میں جہاں ایک معروف مذہبی گھرانے کے بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کے ساتھ میاں نور محمد کلھوڑا نے مسجد میں شہید کر دیا۔ صوفی شاہ عنایت اور مخدوم عبد الرحمٰن کھسڑا کی شہادت کلھوڑوں کے ہاتھوں ہوئی''۔[35]

کلھوڑوں کو پہلے اپنے دور عروج میں مذہب اور روحانیت سے لگاؤ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مذہب اور روحانیت کو چھوڑ دیا اور اقتدار کے بھوکے بن گئے جس کے لئے پہلے انہوں نے صوفی شاہ عنایت کو دھوکے اور فریب کاری سے شہید کیا پھر عبدالرحمٰن کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کیا۔

سطورِ بالا میں جو جنگ و لڑائیوں کا ذکر کیا گیا تو اس میں کلھوڑوں کا کھسڑا شریف پر حملہ جو کہ (۳۳-۱۷۳۲ء) میں واقعہ پیش آیا تھا جس میں عبدالرحمٰن کھسڑا کو ان کے دو سو بائیس لوگوں کے ساتھ شہید کیا گیا تو واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت میاں نور محمد کلھوڑو حاکمِ وقت تھا اور وہ لوگوں کی جاگیروں اور زمینوں پر قبضہ کر لیتا

---

34 مری، ڈاکٹر شاہ محمد، جھوک جنگ کا کمانڈر شاہ عنایت شہید، محولہ بالا، ص/۶۱۔

35 مرزا، شفقت تنویر، سچل سرمست (سندھی، پنجابی، فارسی اور اردو کلامی، لاہور، الفیصل، جون ۲۰۱۰ء (تیسرا ایڈیشن) ص/۳۸۔

تھا، عبدالرحمٰن کھسرا بہت ہی بہادر تھا جو کہ ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن کھسرا کا ایک ارادت مند میر یعقوب علی شاہ کی جاگیر کے پروانے منسوخ کر دیئے گئے تھے تو میر یعقوب نے عبدالرحمٰن کھسرا سے کہا کہ آپ میاں نور محمد کلہوڑو کے پاس جائیں اور ان سے ہمارے پروانے بحال کرائیں، چونکہ میاں نور محمد کلہوڑو پر اقتدار کا نشہ تھا اور وہ غرور و تکبر میں مبتلا تھا کہ کسی سے مصافحہ کرنا بھی اسے ناگوار گزرتا تھا، چنانچہ جب عبدالرحمٰن کھسرا ان کے دربار میں گئے تو وہ بہت ادب و احترام سے پیش آیا مگر وہ اندر سے مخدوم عبدالرحمٰن کے خلاف تھا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا پھر اسی اثناء میں ایک اور واقعہ ہوا کہ مخدوم عبدالرحمٰن کا اپنے علاقہ کے ایک نوجوان سے نوک جھونک ہو گئی جس پر اس نوجوان نے ایک رپورٹ تیار کر کے میاں نور محمد کلہوڑو کو بھیج دی کہ اس پر زبردستی ظلم کیا گیا ہے اور چونکہ میاں نور محمد کلہوڑو پہلے ہی مخدوم عبدالرحمٰن کے سخت خلاف تھا اور کسی موقع کے انتظار میں تھا کہ کیسے مخدوم عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کو ختم کیا جائے چنانچہ اس نے اپنا ایک لشکر کھسرا شریف بھیجا جنہوں نے عبدالرحمٰن کھسرا اور ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کو مسجد میں شہید کر دیا گیا۔

یہ دو واقعات جو سچل سرمست کی ولادت سے پہلے رونما ہوئے تھے تو ان واقعات نے سندھ پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے تھے اور چونکہ سندھ کی تاریخ ویسے تو جنگ و جدل سے بھری ہوئی ہے مگر سچل سرمست کے دورِ حیات میں جو لڑائیاں اور فسادات برپا ہوئے ان کی بہت طویل داستان ہے۔

سچل سرمست کی جب ولادت ہوئی تو اسی سال ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کیا، شہر، گاؤں، بستیاں ویران اور تباہ و برباد کر دیں، ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔

پھر سچل سرمست جب پندرہ سال کے ہوئے تو احمد شاہ ابدالی جس نے ۱۷۵۴ء میں سندھ پر خونی حملہ کیا اور سچل سرمست نے احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں سندھ کو لوٹتے دیکھا، اس کے بعد ۱۷۵۷ء میں میاں غلام شاہ سندھ کے حکمران بنے تو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سندھ میں تجارت کرنے کی اجازت دی اور انگریزوں نے ٹھٹھہ میں اپنی تجارتی آفس قائم کی اور سندھ میں آکر تجارت کرنے لگے۔

میاں غلام شاہ کے دورِ حکمرانی میں ہی کچھ کے راجا نے سندھ پر ۱۷۶۳ء میں حملہ کیا "کچھ، پاکستان کے صوبہ سندھ اور بھارت کی ریاست گجرات کے درمیان صحرائے تھر میں واقع ہے"۔[36]

---

[36] https://ur-m-wikipedia-org/wiki

پھر پے در پے لڑائیاں اور فسادات ہوتے رہے جن کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا ہے کہ پھر میاں سرفراز حکمران بنا، کلہوڑا اور تالپور خاندان میں آپس میں بر سرِ پیکار ہو گئے اور مقامی لوگوں میں نااتفاقی دیکھ کر عزت یار خان پٹھان، نے سندھ پر حملہ کیا، پھر تیمور شاہ جو کہ کابل کا حکمران تھا سندھ پر حملہ کیا، اس کے بعد افغانستان کے مدد خان پٹھان نے سندھ پر وحشت ناک حملہ کیا اور بڑی لوٹ مار کی اور ہزاروں لوگوں کو قتل کیا۔ ۱۷۸۲ء میں کلہوڑا اور تالپر کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کلہوڑوں کو شکست دے کر تالپر خاندان نے سندھ میں اپنی حکومت قائم کی۔

"سندھ میں کلہوڑوں کی حکومت ۱۸ ویں صدی کے آغاز میں قائم ہوئی تھی"۔[37]

"۱۷۸۲ء میں کلہوڑا اور تالپروں کے درمیان جنگ ہوئی جس کے بعد تالپر سندھ کے حکمران بنے تو تالپروں کی حکومت کی مدت ۱۷۸۳ء تا ۱۸۴۳ء تک ہے"[38]

سچل سرمست کا دور ان کی پیدائش سے لے کر وفات تک دیکھا جائے تو نوے سال کی عمر میں تقریباً ۴۴ سال کلہوڑا حکمرانوں کا دور رہا اور بقیہ ۴۶ سال تالپر حکمرانوں کا دور تھا۔ مذہبی انتہا پسندی کلہوڑا دور حکومت میں ہی تھی جو مخدوم عبدالرحمٰن کھہڑا کا واقعہ پیش آیا جس میں ان کو مسجد میں شہید کیا گیا لیکن تالپر حکمرانوں کے دور میں یہ مذہبی انتہا پسندی بڑھ گئی۔

سندھ میں چونکہ ہر مذہب اور ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے تھے، تو تب وہاں کے حکمران اپنا اقتدار بچانے کے لئے مذہب کو استعمال کرتے تھے، جگہ جگہ بازاری قسم کے مناظرے ہونے لگے تھے، نیم ملا خطرہ ایمان جیسی صورتحال پیدا ہو گئی تھی، مذہبی قیادت کرنے والے مسلمانوں کے اندر منافرت بڑھا رہے تھے، برداشت، رواداری، بھائی چارہ ناپید ہونے لگا تھا، یہی وجہ تھی کہ باہر کی اقوام یہاں آکر لوٹ مار کر کے تباہی پھیلا کے چلے جاتے تھے اور مقامی حکمران ان کے منہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔

سچل سرمست کی تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی تھی، آپ حافظِ قرآن تھے، شریعت پر سختی سے کاربند رہتے تھے اپنے ہمعصر علماء اور دینی مدرسے چلانے والوں کی کارگزاریاں دیکھتے تھے تو انہیں دلی صدمہ پہنچتا تھا کیونکہ

[37] شوق، ڈاکٹر نواز علی، سچل سرمست، محولہ بالا، ص/۵۳۔
[38] جمیل، سید مظہر، جدید سندھی ادب، محولہ بالا، ص/۱۸۶۔

وہ وقت کے حکمرانوں سے دنیوی فائدے سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے، غیر اسلامی اقدامات پر خاموشی اختیار کرتے تھے، اس حوالے سے رشید احمد لاشاری یوں رقمطراز ہیں کہ:

''ان کو اس قدر مذہبی اقتدار حاصل تھا کہ معمولی سی بات پر بھی ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا کرتے تھے''۔[39]

اور جب عوام کارد عمل سامنے آتا تو ان کو خاموش کرانے کے لئے علماء سوءدین سے تاویلات نکالتے تھے اور فتوے جاری کرتے تھے جس پر حکمران خوش ہو کر ان پر مال و دولت کی بارش کرتے تھے۔ سچل سرمست نے جب ہوش سنبھالا تو ہر طرف پیری مریدی کا دھندہ بڑے عروج پر تھا،اس حوالے سے ڈاکٹر نواز علی شوق یوں رقمطراز ہیں کہ:

''بادشاہوں کے چیلوں نے یہ مشہور کیا ہوا تھا کہ مسلمان بادشاہ میں سات ولیوں جتنی طاقت ہوتی ہے،وہ خدائی سایہ اگر عوام کا قتلِ عام کرائے تو بھی جائز ہے اور معاف ہے،اللہ تعالیٰ کو فقط سجدہ کیا جاتا ہے مگر بادشاہ سلامت کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین کو چومنا لازماً ٹھہرایا گیا تھا''۔[40]

سچل سرمست نے جب انسان کو نقصان پہنچانے والی رسومات اور دین کے اندر اتنے تضادات دیکھے تو ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے،ان کا ذہن بھی انتشار کا شکار ہو گیا اوپر سے علماء سوء کا حکمرانوں سے گٹھ جوڑ اور حکمرانوں کے عوام پر مظالم نے ان کو باغی بنادیا تھا اور یہ غبار جب حد سے زیادہ بڑھنے لگا تو پھوٹ پڑا جس کا اظہار شاعری میں آشکار ہوا۔ سچل سرمست نے اپنے دور میں جو کچھ دیکھا اس کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے جس کو اگر ہم کہیں کہ دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ سچل سرمست کو اس دور میں جو کچھ نظر آیا تھا وہ یہ تھا:

مڪڙي ڏنم موج ۾،تنهن ۾ مير ملاح
مڇيون مارن اوچتي،بانڪا ٻيپرواهه
لهر بحر جا حاڪم چاڙي،شوريا وتن شاهه[41]

[39] لاشاری،رشید احمد، سچل سرمست، محولہ بالا،ص/۷۵۔
[40] شوق،ڈاکٹر نواز علی، سچل سرمست، محولہ بالا،ص/۳۳۔
[41] ایضاً۔ص/۸۸۔

ترجمہ: میں نے دریا کی موج میں ایک کشتی کو دیکھا، اس میں ایک ملاح تھا، وہ بے پرواہی سے مچھلیوں کو مارتا تھا اور خود کو بہادر اور سمندر کا حاکم سمجھتا تھا۔

سچل سرمست نے اپنے ان اشعار کے ذریعے سمجھایا ہے کہ سندھ میں جو بھی ظالم حکمران آتا تھا تو وہ خود کو سندھ کا بادشاہ اور حکمران سمجھتا تھا جیسے ملاح کی مثال دی کہ وہ خود کو سمندر کا حاکم اور بادشاہ سمجھتا ہے اور بے پرواہی سے مچھلیوں کو مارتا ہے، ان کا شکار کرتا ہے تو یہ ظالم حکمران بھی سندھ پر حملہ کر کے لوگوں کے مال و دولت لوٹ کر چلے جاتے ہیں اور لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔

سچل سرمست نے بھی اپنے دور کی مذہبی شدت پسندی دیکھ کر تمام مذاہب سے بیزاری کا اعلان کیا اور حسین بن منصور حلاج کی طرح نعرۂ انا الحق بلند کیا اسی لئے آپ کو منصور ثانی بھی کہا جاتا ہے اور اس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے کہ:

میں منصور کی مثل کروں گا

جگ میں ''انا الحق'' کا اظہار[42] (کافی:۱۴)

سچل سرمست نے بھی مذہبی شدت پسندی دیکھ کر انا الحق کا نعرہ بلند کیا کہ میں بھی منصور کی طرح کروں گا ۔آپ کے انا الحق نعرہ بلند کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں کوئی خدائی دعویٰ کیا جارہا ہے بلکہ محققین کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نعرے کا مطلب یہ ہے کہ میرے اندر حق موجود ہے، میرا وجود بہت بڑی حقیقت ہے میں کوئی وہم یا کوئی خواب و خیال نہیں ہوں اور یہ نعرہ کوئی خدائی دعویٰ نہیں بلکہ خدا پرستی کی ایک ادا ہے کہ باقی تمام لوگ گمراہ ہو چکے ہیں صرف ایک میں ہی حق پر ہوں۔

محبت کا راستہ ہی سب سے اچھا ہے

دوسرے تمام راستے غلط اور گمراہ ہیں۔[43]

---

[42] لاشاری، رشید احمد، سچل سرمست، محولہ بالا، ص/۳۰۷۔

[43] آڈوانی، کلیان جی، مترجم امیر اللہ خاں شاہین مرحوم، سچل سرمست، دہلی، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۲ء، ص/۴۴۔

اس شعر میں آپ فرماتے ہیں کہ محبت ہی ایک واحد راستہ ہے جس سے تمام انسانوں کو ایک لڑی میں پرو یا جا سکتا ہے، نفرت وعداوت اور آپس کے تعصبات کو ختم کیا جا سکتا ہے، باقی جو لوگ مذاہب کی آڑ میں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں، کفر کے فتوے لگاتے ہیں، آپس میں بھائی چارہ قائم کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں، تو وہ سب راستے غلط اور گمراہ کن ہیں بس ایک ہی عشق و محبت کا راستہ سچا اور صحیح ہے۔

خدا کس جا نہیں چھپیا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپیا اللہ جگ لوک سارا ہے
بہر جائی بھی حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولوتے ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے۔[44]

اس میں سچل سرمست فرماتے ہیں کہ ایسی کونسی جگہ ہے جہاں اللہ کی ذات نہیں ہے، گلی کوچے، اندر باہر ہر جگہ ہی خدا کی ذات موجود ہے اور یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ خالق و مخلوق ایک ہی ہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔

جہیں دل پیتا عشق دا جام سا دل مست و مست مدام
دین مذاہب رہندے کیتھے، کفر کِتھاں اِسلام۔[45]

سچل سرمست نے دین و مذہب سے بالاتر ہو کر اعلان کیا کہ میرا مذہب عشق و محبت ہے اور جو دل خدا کی محبت میں کامل مست ہو جائے تو پھر دین و مذہب کا فرق مٹ جاتا ہے پھر کہاں رہتا ہے کفر اور اسلام۔

چپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں
بولوں تو میں کافر ہوں
سچل جو بھید کی بات ہے
کس کس کو سمجھاؤں۔[46]

---

[44] مرزا، شفقت تنویر، سچل سرمست، محولہ بالا، ص/۲۳۲۔

[45] ایضاً، ص/۲۲۸۔

[46] سعیدہ درانی، راشد متین (مرتبین) پاکستان کے صوفی شعراء، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء، ص/۳۴۴۔

سچل سرمست کے دور میں جو کفر کے فتوے جاری کئے جاتے تھے تو اسی بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ اگر میں خاموش بیٹھوں اور حق و سچ نہ بولوں تو مشرک کہلاؤں لیکن اگر بول پڑوں تو کفر کے فتوے جاری کئے جائیں اور کافر کہلاؤں، لیکن روحانیت کی جس منزل پر آپ پہنچ چکے تھے تو اسی بارے میں فرما رہے ہیں کہ میں یہ بھید کی بات کس کس کو سمجھاؤں۔

کیوں بھلا درویش بن کر جگ میں تو گاتا نہیں؟
ہے یہ میدان محبت اس میں کیوں آتا نہیں؟
تو نے اپنی عمر ہے غفلت میں سب برباد کی
چاہیے مستی مگر مے خانے کو جاتا نہیں۔[47] (کافی:۲۷)

سچل سرمست انسانوں کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ تم محبت کے میدان میں کیوں نہیں آتے ہو، کیوں اس رنگ و نسل اور طبقاتی تفریق میں الجھ گئے ہو اور اپنی عمر غفلت میں برباد کر رہے ہو، تم کو چاہیے کہ عشق کے میدان میں آؤ، امن وامان کی طرف آؤ اور نفرتوں کو مٹا کر سب ایک ہو جاؤ۔

اگر اپنا قدر جانو، سپہ سالار تم ہو گا
کیا اندر او کی باہر، ہمہ اظہار تم ہو گا۔[48] (ریختو بروہ:۲۴۲)

سچل سرمست یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے جو تمہیں اتنی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے تو اس کو پہچانو، اپنی عظمت کو پہچانو، تمہیں جو اشرف المخلوقات ہونے کا مقام حاصل ہے تو اس کو پہچانو، اور عشقِ الٰہی میں اس قدر مستغرق ہو جاؤ کہ پھر تم میں اور معبود میں کوئی فرق باقی نہ رہے کہ تمہارا ظاہر و باطن عشقِ الٰہی میں ایک ہو جائے۔ سچل سرمست نے جوانی کے جوبھن میں سندھ پر تالپور امیروں کی حکمرانی دیکھی۔ تالپور حکمران شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور سچل سرمست سنی العقیدہ تھے، تالپر حکمران بہت سختی دکھاتے تھے، جب کبھی غیر مسلموں سے کوئی معمولی سی بھی خطا ہوتی تھی تو ان کو زبردستی مسلمان بناتے تھے۔ سندھ میں اسلام آنے کے بعد ہندوؤں نے کبھی

---

47 لاشاری، رشید احمد، سچل سرمست محولہ بالا، ص/۳۱۷۔

48 رسول پوری، محمد اسلم، منتخب سرائیکی کلام حضرت سچل سرمست، ملتان، عمر کمال خان سیکریٹری بزم ثقافت، ۱۹۷۷ء، ص/۱۰۔

سندھ پر حکمرانی نہیں کی وہ ہمیشہ اقلیت بن کر ہی رہے، اقلیت میں ہونے کے باوجود بھی وہ معاشی طور پر عام مسلمانوں سے زیادہ خوشحال زندگی گزارتے تھے، مسلمانوں کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے، ان کے اکابرین کی بے حد عزت کرتے تھے مگر کبھی کبھار مسلمانوں کی مذہبی شدت پسندی کا شکار بھی ہو جاتے تھے لیکن اقلیت میں ہونے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ساتھ سینہ سپر ہونے کی پوزیشن میں نہ ہوتے تھے۔

سچل سرمست جیسے شاعر نے مذہبی انتہاپسندی کی بیخ کنی میں بہت نمایاں کردار ادا کیا جس کی وجہ سے غیر مسلم خصوصاً ہندوان کے بہت بڑے عقیدت مند بن گئے اور مریدین میں بھی شامل ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی مزار کے احاطے میں ہندو بھی مدفون ہیں۔

''جن میں لندن سے مسز ایم ڈی لالا اور سر شیوک رام کی بیوی نندنی شیوک رام ہیں''۔[49]

مذہبی کٹرپن کے خاتمے کے لئے سچل سرمست کی شاعری کو سندھ کے اندر شاندار پذیرائی ملی، حافظِ قرآن ہوتے ہوئے سچل سرمست نے اپنی شاعری میں جابجا قرآنی آیات کا استعمال کیا جس کی وجہ سے عام قارئین کے اندر اپنے ذاتی افکار کو پختہ اعتبار بخشا، آپ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے حامی تھے، تصوف کا یہ فلسفہ عام لوگوں کے فہم و فراست سے کوسوں دور تھا مگر سچل نے اس کو اپنی شاعری میں تشہیر کر کے قرآنی آیات کا قدم قدم پر استعمال کر کے اس نئی فکر کو لوگوں کے اندر عام کیا۔ جو لوگ دینِ اسلام کی بنیادی فکر سے ناآشنا تھے وہ سچل کی شاعری سے متاثر ہو کر اندھی تقلید میں پڑ گئے اور ان کی فکر کی طرف راغب ہونے لگے۔ اس زمانے میں دین کے ظاہری علماء اپنے ذاتی جاہ و منصب اور دنیوی فائدے سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے، جن کو عام آدمی سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہی عام آدمی کو علماء کی ذات میں کوئی کشش نظر آتی تھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام آدمی ان علماء اور اس مذہبی انتہاپسندی سے متنفر ہونے لگے اور سچل سرمست کی شاعری میں ان کو تشفی ملی تھی جو کہ ان کے لئے زبردست جائے پناہ تھی۔ امیروں کے ستائے ہوئے اور ظالم حکمرانوں کے ظلم کی چکی میں پسی ہوئی عوام نے جب وحدۃ الوجود کا نظریہ سنا تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں مدغم محسوس کیا اور خوابوں ہی خوابوں میں اپنے آپ کو امیروں اور بادشاہوں سے بہت اعلیٰ و ارفع محسوس

---

49 صوفی سرمست (خاص اشاعت) قرۃ العین کا مضمون ''ہفت زبان اور تصوف کے عظیم شاعر'' اپریل ۲۰۲۲ء، پیکاک پرنٹرز اینڈ پبلشرز، ص/۶۱

کرنا شروع کر دیا اور شہروں گلیوں میں سچل سرمست کی شاعری گنگنانے لگے اور آپ کے فکر کی گونج دور دور تک گونجنے لگی آپ کی شاعری کا معاشرے پر بہت اثر ہوا، مذہبی انتہا پسندی زوال پذیر ہونے لگی، لوگ ''حق موجود سدا موجود'' کے نعرے لگانے لگے، شریعت سے نابلد لوگوں کے لئے اس نعرۂ مستانہ میں بے پناہ کشش تھی، سچل سرمست جب مستی میں آتے تھے تو حسین بن منصور حلاج کی طرح ''انا الحق'' کا نعرہ لگاتے تھے، جس پر علمائے وقت نے ان کے خلاف قدغن لگانے کی مہم چلائی مگر اس مہم کو عوامی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی لیکن اس کے برعکس سچل سرمست کی شہرت کو چار چاند لگ چکے تھے، لوگ اسے منصور ثانی اور سندھ کا منصور کہتے تھے۔

سچل سرمست نے اپنی شاعری میں انسان کو ''خود فریبی'' سے نکال کر ''خود شناسی'' کا سبق دیا اور انسان کو احساس کمتری سے نکال کر حقیقی شرف اور شان سمجھایا، شرعی حدود و قیود کے جھنجھٹ سے چھٹکارہ پانے کے لئے عام و خاص سچل سرمست کی شاعری میں محو ہو گئے اور اسی فکر کو اپنانے میں ہی اپنی نجات ڈھونڈلی، سچل سرمست کی شاعری کے سائے تلے نہ مسلمان، مسلمان رہا نہ ہندو، ہندو رہا۔

سچل سرمست کی شاعری کا عام لوگوں پر بہت اثر ہوا جیسا کہ ان کے عقیدت مند ان سے اپنے عشق کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

''کوئی مخصوص کشش ہے جو ہم اپنا ہر ضروری کام چھوڑ کر یہاں آنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، دل میں اُمید ہوتی ہے کہ مرشد کے پاس جائیں گے اور دل کی مراد پوری ہو جائے گی''۔[50]

اسی طرح ایک اور عقیدت مند نے اس طرح اظہار کیا ہے کہ:

''ہمارے مرشد کی سرزمین ہے ہم یہاں جوتے نہیں پہنتے کہ بے ادبی نہ ہو''۔[51]

یہ تھے ان کے عقیدت مندوں کے تاثرات حضرت سچل سرمست کے حوالے سے عام لوگوں پر ان کی شاعری کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ان کو ہی اپنا پیر و مرشد سمجھنے لگے کہ وہی ان کی مرادیں پوری کریں گے اور ادب و احترام میں اس حد تک غلو کرتے کہ ننگے پاؤں ان کی درگاہ پر جانا اور ان کی تعلیمات ہی کو قطعی سمجھنا کہ بس وہی کافی ہیں باقی کسی

---

[50] صوفی سرمست (خاص اشاعت) سید عامر حسین کا مضمون ''سچل سچ منصور م'' اپریل ۲۰۲۲ء، پیکاک پرنٹرز اینڈ پبلشرز، ص/۶۶۔

[51] ایضاً، ص/۶۷۔

دین و شریعت کی ضرورت ہی نہیں جبکہ سچل سرمست پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ وہ بے خودی کے عالم میں جو اشعار کہتے تھے وہ ان پر جو ایک کیفیت طاری ہوتی تھی اس کا اظہار ہوتا تھا اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان کی وہ تعلیمات قطعیت کے درجے پر فائز ہیں کہ بس وہی کافی ہیں باقی کسی دین و شریعت کی ضرورت نہیں۔

آپ نے تو شطحیات پر مبنی اپنا بہت سا کلام ضائع کر دیا تھا[52]۔

پ نے اپنا کلام اسی لئے ضائع کر دیا تھا کہ کہیں آنے والے وقتوں میں لوگ اس کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جائیں کیونکہ وہ تو ان کی ایک کیفیت ہوتی تھی، جس کا اظہار وہ اس وقت کے حالات کے زیرِ اثر کرتے تھے لیکن لوگوں نے اس کو ایک الگ ہی رنگ میں ڈال دیا اور اس تعلیمات میں ہی اپنی نجات ڈھونڈنے لگے۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ معاشرے میں کچھ رسوم و رواج ایسے ہوتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن چونکہ وہ معاشرے میں رائج ہوتی ہیں اور ثقافت کا حصہ ہوتی ہیں تو اس لئے معاشرے میں اس کو برا بھی نہیں مانا جاتا اور لوگ اس سے مانوس بھی ہوتے ہیں اور فقہی اصطلاح میں اس کو "عرف" کہتے ہیں جس کی تعریف یہ ہے کہ:

"عرف کہتے ہیں وہ چیز جس سے لوگ مانوس ہوں، جس کے عادی ہوں"[53]

سچل سرمست کی وفات ۱۴/رمضان المبارک کو ہوئی تھی تو ہر سال آپ کی درگاہ پر میلہ لگتا ہے اور دور دراز علاقوں سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔ سچل سرمست کی درگاہ پر لگنے والے میلے کو دو زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے، ایک اس کا مثبت پہلو اور ایک منفی۔

کوئی بھی قوم اپنا وجود اس وقت تک ہی برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کی ثقافت زندہ رہے اور اپنی ثقافت کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے بزرگوں کی تعلیمات کو اجاگر کرنا، ہر سال ان کے لئے کوئی ادبی کانفرنس منعقد کرنا، پھر اس میں مختلف قسم کی سرگرمیاں سرانجام دینا کوئی بری بات نہیں بلکہ یہ سب اگر ایک حد میں رہ کر کیا جائے تو

---

[52] اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا) لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۳ء، ج/۱۰، ص/۵۴۷۔

[53] زیدان، عبدالکریم مترجم هدیۃ العلماء، الوجیز فی اصول فقہ (اردو)، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص/۲۹۸۔

اس میں کوئی قباحت نہیں، بگاڑ تب پیدا ہوتا ہے جب ایسے اقدامات سے معاشرے میں انتشار پھیلے یا بے حیائی پھیلنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر اصل مقصد اپنی ثقافت کو اجاگر کرنا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس میلے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے ثقافت کو اجاگر کیا جاتا ہے کہ سندھ دھرتی اولیاء کرام وصوفیاء کی سرزمین ہے جنہوں نے امن و محبت کا پیغام دیا ہے، اس کے علاوہ میلہ میں مختلف قسم کے اسٹال لگائے جاتے ہیں جن میں کھانے پینے کی اشیاء کا اسٹال لگایا جاتا ہے اور کتابوں کا بھی کہ جو پڑھنے لکھنے سے شغف رکھتے ہیں وہ ان کتابوں سے استفادہ حاصل کر سکیں تو اس طرح لوگوں کو ایک قسم کا روزگار بھی مل جاتا ہے اور آنے والی نسلوں کو اپنی تاریخ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ہمارے آباؤاجداد نے کس طرح کی قربانیاں دیں اور کس طرح کے حالات سے لڑتے رہے تو میلہ لگنے کا مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کو اپنے ماضی کے واقعات سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے کیونکہ کسی بھی قوم کو اگر تباہ کرنا ہو تو اس کا اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ دو، جب ان کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ ماضی میں ہمارے دشمن اور دوست کون رہ چکے ہیں تو مستقبل میں بھی وہ سب کو ہی اپنا دوست سمجھیں گے اور پھر سے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں تباہ و برباد اور رُسوا ہو جائیں گے۔

اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ میلہ میں سچل سرمست کی شاعری کو تنبوروں پر گایا جاتا ہے جو ایک قسم کا ساز ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر ایک عجیب ہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ جھومنے لگ جاتے ہیں تو اس طرح سے رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہونے لگتی ہیں اور لوگ اسی میں راحت و سکون محسوس کرتے ہیں، نہ دین کی تعلیم حاصل کرنے پر توجہ دیتے ہیں، نہ ہی اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں بلکہ خود کو صوفی تصور کر کے تنبورے پر سچل کی شاعری کو گا کر اسی میں اپنی راہِ نجات ڈھونڈتے ہیں۔ان درگاہوں پر ان کے لئے کھانے پینے اور قیام کا بھی بندوبست کیا جاتا ہے تو وہ بس اسی درگاہ میں رہ کر اپنی تمام زندگی گزار دیتے ہیں کہ کھانے کے لئے بھی ان کو مل جاتا ہے اور رہنے کے لئے بھی جگہ میسر آجاتی ہے تو ان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ محنت و مزدوری کریں، علم حاصل کریں اور خود سے کمائیں تو یہ انسانی زندگیوں پر منفی اثر ہوتا ہے کہ بس صوفی بن کر ہی ساری زندگی گزار دی جائے، باقی انسان کی جو معاشرتی ذمہ داریاں ہیں ان سے بالکل ہی پہلو تہی کر لی جائے۔اس کا دوسرا منفی پہلو یہ ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنایا جائے، منتیں مانی جائیں، اور ان بزرگوں سے دعائیں مانگی جائیں تو شریعت میں اس کی گنجائش نہیں اور اگر عرف عام میں لوگ اس کو صحیح بھی مانتے ہوں تو تب بھی دینِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ پھر شرک کے زمرے میں آجائے گا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)